مقالات

مقتضیات ایمان

جناب مولانا سید صبغۃ اللہ صاحب بختیاری

ایمان کیا ہے اور ایمان والوں سے اللہ نے قرآن میں کن امور کے مطالبے کیے ہیں، عام انسانوں میں سے جو صحیح فطرت، صالح طبیعت، کامل فہم رکھنے والی خوش قسمت ہستیاں اسلام کی دعوت کو دل وجان سے مان لیں ان پر اللہ کی طرف سے کیا ذمہ داریاں ڈالی جاتی ہیں زندگی کے تمام شعبوں میں کس نوع کی تبدیلیاں ان سے مطلوب ہوتی ہیں اور وہ کون کون سی پابندیاں ہیں جو اس ایمانی سیرت والے گروہ پر عائد کی جاتی ہیں؛ اس مضمون میں ان ضروری سوالوں کے جواب میں چند مضبوط دلیلیں قرآن ہی سے پیش کی جائیں گی اور ان مقتضیات ایمان کو نمایاں کیا جائے گا جو علمی موشگافیوں اور متکلمانہ طرز کی جدلی بحثوں سے الگ تھلگ رہ کر صاف صاف سیدھے طریقہ پر قرآن کی منصوص تصریحوں سے معلوم ہوتی ہیں اور جو دین قیم کی بے آمیز اور بے احتمال محکمات ہیں، اور اسلام کی اصولی حقیقتیں، بنیادی صداقتیں انہی پر مبنی ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام روئے زمین پر بسنے والے انسانوں کی طرف اللہ کے آخری پیغمبر کی حیثیت سے بھیجے گئے ہیں اور آپ کو وہ آخری مستند ہدایت نامہ قرآن کی شکل میں دے دیا گیا ہے جس میں انسانی زندگی کی تمام حسی، عقلی اور وجدانی ضرورتیں پوری کردی گئی ہیں۔ کوئی شعبۂ حیات ایسا نہیں رہا جس کے متعلق کسی چیز کو یونہی تشنہ چھوڑ دیا گیا ہو۔ اور رسول کی بعثت کا مقصد حقیقی یہ بتادیا گیا ہے کہ وہ دین حق کو جنس دین کی ہر چیز پر غالب کرے، اللہ کے نظام اطاعت کا تمام انسانوں کو اس طرح پورا پورا مطیع اور تابع بنادے کہ اس دائرہ سے آزاد اور بذات خود مستقل کوئی دوسری اطاعت باقی رہنے ہی نہ پائے۔

اس سچی دعوت کے نتیجے میں انسانی دنیا چند گروہوں میں بٹ جاتی ہے۔ ایک گروہ تو وہ ہے جو رسول

کے لائے ہوئے قانونِ ہدایت اور دینِ حق کو اپنی ساری زندگی کا واحد دستورِ عمل مان لیتا ہے اور ہر گوشہ میں اسی کی تابعداری، فرماں پذیری، اور بے چون وچرا اطاعت کرتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو بالکل اس کے مقابل اور اس کی ضد ہوتا ہے، نہایت جرأت و بے باکی کے ساتھ صاف صاف انکار کر دیتا ہے اور عین اس کے مدمقابل کسی دوسری بنیاد پر حیاتِ انسانی کی تعمیر میں لگ جاتا ہے۔ تیسرا گروہ وہ ہے جو ان دونوں پہلوؤں سے ہٹ کر تیسرا رویہ اختیار کرتا ہے۔ یعنی دینِ حق کے ساتھ اس حد تک تعلق تو بظاہر پیدا کر لیتا ہے کہ چند معاشرتی اور دنیوی رسموں کی یکسانی اور معاشیاتی نفع اندوزی تک اقرارِ حق کرتا ہے تاکہ دنیوی مفاد محفوظ ہو جائے۔ مگر باطن میں اسکو قانونِ ہدایت سے کوئی لگاؤ، کوئی جوڑ اور کوئی مناسبت نہیں ہوتی، بلکہ زندگی کے بعض مرحلوں میں اس کی حالت منکروں سے بھی زیادہ خراب اور صریح دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ پوری اسلامی سوسائٹی باوجود ان کے ظاہری موافقانہ رویہ کے صاف ان کا باطن ان کے کردار میں جھلکتا دیکھ لیتی ہے۔

اس طرح ایمان کی نوعیتیں مختلف ہو جاتی ہیں۔ ایک وہ ایمان جس پر صرف دنیا میں اسلامی قانون کے ظاہری احکام کا اطلاق جاری ہو جاتا ہے اور جان و مال کی حفاظت، اور کچھ اجتماعی و اقتصادی حقوق اور سیاسی مراعات بھی حاصل ہو جاتی ہیں۔ مگر یہ وہ ایمان نہیں ہے۔ جو اللہ کی خوشنودی، آخرت میں بہترین جزا، نجاتِ ابدی اور حیاتِ سرمدی کا سبب بن جائے جس پر اللہ کی میزانِ قدر میں درجے حاصل ہوں اور مرتبے اونچے سے اونچے ہوتے چلے جائیں۔ دوسرا حقیقی ایمان جس سے پکا اعتقاد، سچا انقیاد، حقیقی طاعت گزاری، پوری وفاداری، اور کامل بندگی کا ظہور ہوتا ہے اور اسی کے گھٹنے بڑھنے پر انسان کی قدر و منزلت اللہ کے ہاں گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ قرآن میں جہاں جہاں ایمان کی زیادتی اور کمی کا ذکر فرمایا گیا ہے وہ حقیقت میں یہی چیز ہے، اور دعوتِ ایمانی سے دراصل یہی چیز مطلوب ہے۔

ذہنی بنیاد ہی ایمانی افتاد ہے آدمیوں کے جتنے کام بھی ہوتے ہیں وہ دیکھنے میں اگرچہ اعضا و جوارح سے سرزد ہوتے ہیں لیکن ان کا حقیقی منبع اور اصلی مرکز ذہن ہی ہوتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ذہنوں کی کیفیتیں بھی الگ الگ ہوتی ہیں۔ بعض ذہن تو ایسے ہوتے ہیں جن میں کسی خاص قسم کے افکار نہیں ہوتے بلکہ پراگندہ اور منتشر خیالات جم جاتے ہیں، پھر ان سے ظاہر ہونے والے تمام خارجی افعال میں بے ربطی، پراگندگی اور انتشار عیاں ہوتا

اس کے برخلاف دوسری قسم کے ذہن وہ ہوتے ہیں جن میں کوئی عمدہ اور مضبوط عملی فکر موجود ہوتا ہے، جس کا رسوخ و ثبات پوری طرح چھایا رہتا ہے، اور اس کے نتیجے کے طور پر جو امور خارجی مظاہر میں نمودار ہوتے رہتے ہیں وہ اتنے ہی راسخ اور ثابت ہوتے ہیں جس قدر ان کا ذہنی پہلو مضبوط ہوتا ہے۔ بہرحال انسانی سیرت کی تشکیل کرنے والی اصل قوت اس کی باطنی کیفیت ہی ہے اور اس کیفیت ہی سے انسانوں کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کو ظاہری تکمیل کا سروسامان کارہیا ہوتا ہے۔ انسان کے ظاہر میں جو اقوال و افعال، حرکات و سکنات، ظاہر ہوتے رہتے ہیں وہ اصل میں اس کی معنوی استعداد کے نہایت سچے اور حقیقی ترجمان ہوتے ہیں۔ یہی باعث ہے کہ دنیائے انسانی میں اجتماع و تنظیم، اتحاد و اتفاق، ترتیب و ہم آہنگی کے لیے کسی نہ کسی نہایت مضبوط ذہنی بنیاد کی ضرورت پیش آتی ہے، جو ایک طرف انفرادی طور پر ہر فرد میں موجود ہو اور دوسری طرف مجموعی اعتبار سے اجتماعی طور پر پوری جماعتی زندگی میں موجود رہے۔ ورنہ کسی متحد نظام فکر کا وجود میں آنا ممکن ہی نہیں ہوسکتا۔ "ایمان" اصل میں اسی انقلاب انگیز کیفیت کو کہتے ہیں جو انسان کے اندر صحیح علم و معرفت، فہم و فراست، حکمت و یقین، اور فکر و نظر کے خالص طریقۂ استعمال سے پیدا ہو جاتی ہے۔ پھر اس سے انسان کے ذہن و دماغ میں ایک خاص قسم کا سلجھاؤ پیدا ہوتا ہے، اور اس کے بعد انسانی فطرت کے اصلی خط و خال نمایاں ہوتے ہیں، اس کے متعلقہ اغراض و مقاصد پورے ہونے شروع ہو جاتے ہیں، انسان اپنے منشائے تخلیق کو اپنے خالق و مالک کی مرضی کے ٹھیک ٹھیک مطابق ادا کرنے لگ جاتا ہے اور اس کا وجود نہ صرف خود اس کے لیے بلکہ پوری نوع انسانی کے لیے اور کل کائنات کے لیے مفید ترین بن جاتا ہے۔

ایمان کی لفظی تحقیق عربی زبان میں لفظ "ایمان" کا اشتقاق "امن" سے ہے۔ چنانچہ اہل لغت کہا کرتے ہیں: "امنہ" یعنی اس کو امن دے دیا۔ اسی معنی کے لحاظ سے قرآن نے بھی کہا ہے "وَآمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ" (اللہ نے انھیں خوف سے امن دیا)۔ "آمن لہ" بھی کہا جاتا ہے یعنی اس کی تصدیق کی اور اس پر بھروسہ کر لیا۔ اور "ایمان" کے معنی پناہ دینے کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ اسی سے اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک نام "مومن" ہے، یعنی اللہ اپنے ان مخلص و موحد بندوں کو اپنے جوار رحمت میں دنیا و آخرت میں پناہ دیتا ہے جو سب سے کٹ کر اس سے جڑ جاتے ہیں، سب سے الگ ہو کر اسی کے ہو رہتے ہیں اور یکسوئی سے اس کو مان لیتے ہیں۔ پھر کسی غیر اللہ کی پناہ نہیں ڈھونڈھتے ہیں۔ غرض یہ کہ قرآن میں لفظ ایمان کا استعمال ان تمام معانی مذکورہ کے لیے کیا گیا ہے۔

اب ایک نظر ان مقامات پر ڈال لی جائے جہاں قرآن نے اس لفظ کا استعمال کیا ہے تاکہ پوری حقیقت آشکارا ہو جائے۔ لفظ "ایمان" کی نسبت ہمیشہ قرآن میں قلب کی طرف کی گئی ہے اور محل ایمان انسان کے دل کو بتایا گیا ہے، اسی لیے جن لوگوں کے دلوں میں حقیقت ایمانی کی پوری اسپرٹ نہیں پیدا ہوئی تھی اور صرف زبانی اقرار و اعتراف کے ذریعہ اہل ایمان کے گروہ میں داخل ہو گئے تھے ان سے صاف صاف کہہ دیا گیا ہے "لَمَّا يَدْخُلِ الْإِيمَانُ فِي قُلُوبِكُمْ" یعنی ابھی تک ایمان تو تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا ہے۔ اور ٹھیک ٹھیک ایسا ہی وہاں بھی کہا گیا ہے جہاں حقیقی مومنوں کی مدح فرمائی گئی ہے اور ان کی قلبی حالت کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا گیا ہے فرمایا جاتا ہے کہ "أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِنْهُ" یعنی یہی تو حقیقی ایمان والے لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی طرف سے روح کے ذریعہ ان کی تائید فرمائی ہے۔ اسی طرح قرآن میں ایک مقام پر ان لوگوں کی مذمت فرماتے ہوئے جنھوں نے "قول محض" کا نام ایمان رکھ لیا تھا، ان کی صریح طور پر تردید فرما دی ہے کہ وہ ایمان والے ہیں ہی نہیں کیونکہ قلب جو اصل محل ایمان ہے اس میں تو ایمان ہے ہی نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ (بقرہ)	اور لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو محض کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لاچکے ہیں حالانکہ وہ سرے سے ایمان لانے والے

قرآن میں ایک دوسری جگہ بھی اسی طرح فرمایا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا بِأَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ	وہ لوگ جو محض اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور ان کے دل تو مومن نہیں ہوئے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قرآن نے ایمان کا اطلاق اصل قلبی حالت پر کیا ہے لہذا مجرد زبان سے اقرار و اعتراف کرنا ایمان کا پروانہ نہیں ہے بلکہ وہ بھی اس اعتبار سے قابل لحاظ قرار دیا جاتا ہے کہ انسان اپنے دل کی کیفیت کی ترجمانی زبان ہی سے کیا کرتا ہے، جو شخص اپنی زبان سے کسی بات کے ماننے کا اظہار کرتا ہے تو اس کے بارے میں بظاہر حال یہی خیال کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی زبان سے جو کچھ کہہ رہا ہے وہی اس کے دل کی مراد اصلی ہوگی ورنہ اصل مقصود تو قلب کی تصدیق ہے۔

قرآن عزیز کو ابتداء سے انتہا تک اسی ایک نقطۂ نظر سے مطالعہ کیا جائے تو بالکل اظہر من الشمس ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیائے کرام کے ذریعے انسان سے جس حقیقت کا مطالبہ کیا جا رہا ہے وہ ایمان و اعتقاد اور قلبی انقیاد ہے جس کے خارجی عملی مظاہر کا زندگی میں موجود ہونا ناگزیر ہے اور اگر کسی زبانی اقرار کے پس پشت قلبی تصدیق نہ ہو تو اس کا صحیح نام "نفاق" ہے ایمان نہیں ہے۔

اس مقام پر بعض وہ لوگ جو براہ راست قرآن سے اصولی عقائد اخذ کرنے کے بجائے کلامی لٹریچر سے اخذ کرنے کے عادی ہیں یہ کہتے ہیں کہ یہی اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اقرار لسانی کافی ہے، حالانکہ یہ مرجئہ کا خیال ہو تو ہو لیکن یہ نہ تو "سنت" سے ماخوذ ہے اور نہ اس بنیاد پر کوئی صحیح اسلامی "جماعت" بن سکتی ہے اور جب ان تفلسف آمیز خیالات کے پرستاروں سے کہا جاتا ہے کہ ایمان کے حقیقی اور واقعی مقتضیات وہ ہیں جن کی طرف قرآن نے اہل ایمان کو پر زور اسالیب بیان کے ساتھ توجہ دلائی ہے اور بار بار انہی کی طرف حکمت و موعظت حسنہ سے دعوت دی گئی ہے اور جگہ جگہ مناسبت مقام سے انہی کی تذکیر و یاد دہانی کرائی جاتی ہے تو ناک بھوں چڑھا کر اس کو مسلک "خوارج" بتایا جاتا ہے، حالانکہ اہل سنت وجماعت اسی گروہ کا نام ہے جو اس افراط و تفریط سے بچ کر اور خوارج و مرجئہ کے مسلکوں سے ہٹ کر متوازن اور معتدل مسلک ایمانی اختیار کرتا ہے جو عین حق و صواب اور صراط مستقیم ہے۔ افسوس ہے کہ اس روح لطیف تک انہی مجادلانہ بحثوں نے رسائی نہ حاصل ہونے دی اور ان لوگوں کو اُن "مقتضیات ایمان" سے غافل کر رکھا ہے جو کلامی طریقوں سے علیحدہ مجرد قرآنی تفکر و تدبر اور عمیق درس و مطالعہ سے حاصل ہو سکتے تھے۔ قانونی اور عدالتی "ایمان" اور "شہادت گاہ الفت" کے خالص، بے آمیز اور حقیقی ایمان کے فرق و امتیاز کو ان کی ذہنیتوں نے محسوس ہی نہ کیا اور جدل و مخالفت کی گرم بازاری نے انکو باریک احساسات کے ادراک ہی سے محروم کر دیا ہے۔

ایک عرصۂ دراز سے عام طور پر عامیوں سے لے کر اچھے خاصے استعداد و قابلیت رکھنے والے عالموں تک میں یہ بات پھیلی ہوئی ہے کہ "مقتضیات ایمان" اگرچہ کسی مسلمان میں پوری پوری نہ ہوں لیکن وہ چند انفرادی اخلاقی خصوصیات میں ممتاز ہو جائے تو یہ مومن ہو جانے کی کافی ضمانت ہے اور اگر چند نوافل و تطوعات، اذکار و اوراد کا پابند ہو جائے تو پھر اس کے "مومن کامل" ہونے میں کوئی کسر باقی نہیں رہتی، کیونکہ "مقتضیات ایمان"

موجودہ دور اجتماعی میں جب کہ گردو پیش کی دنیا میں کفر، شرک، بدعت، معصیت، غفلت اور جاہلیت کا دور دورہ ہے، حصول ایمان کے لیے ایمانی خصائص و لوازم اور پوری علامتوں کا ہونا چنداں ضروری نہیں، اور ایسے غیر اسلامی احول میں "مقتضیات ایمان" کے لیے کسی اجتماعی جدوجہد اور تبلیغی دعوت کی کوئی خاص تکلیف شرعی نہیں ہے، اور اگر اس کو باقاعدہ منظم طریق پر ایک تحریک کی شکل میں جاری کیا جائے تاکہ ایمان داری ایک انفرادی رویہ ہی بن کر جامد و ساکن نہ رہ جائے بلکہ اجتماعی صورت میں ایمان دارانہ رویہ ایک جامع دستور حیات انسانی بن جائے اور انسانیت عامہ کی موجودہ مشکلات کو اسی روشنی میں حل کر کے دعوت عام دی جائے تو یہ سعی و کوشش بعض اہل تقویٰ تک کو کھٹک جاتی ہے اور وہ اس میں مادیت کے جراثیم دیکھنے لگتے ہیں اور روحانی حیثیت سے اس تحریک کو خالی پاتے ہیں۔ اور "مقتضیات ایمان" سے صاف کترا جاتے ہیں اور بات کو ضمنی و فروعی بحثوں میں الجھا کر رکھ دیتے ہیں، اور اس طرح اللہ کے بندوں کو ایک اور تھپکی مل جاتی ہے کہ وہ ایمانیات کو بیدار کرنے سے غافل ہو جائیں۔

دراصل انہی غلط فہمیوں کی وجہ سے دین حق کو عالمگیر مسائل حیات انسانی کے واحد حل کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کرنے اور بالآخر اس کو ایک نظام زندگی کی حیثیت سے زمین میں قائم کرنے کا فریضہ ادا نہیں ہونے پاتا۔ جمود و تعطل، زاویہ نشینی، عافیت کوشی، خلوت گزینی، کمنگی، شکستگی، فرسودگی اور قدامت پرستانہ طور و طریق کے ساتھ چند اعمال کی مخصوص شکلوں اور ان کی ظاہری اوائگی ہی کو تقویٰ، تدین، خشیت، للہیت اور ایمان داری سمجھا جانے لگا ہے۔ اضطرار کے حیلوں بہانوں سے کفر و الحاد اور زندقہ و شیطنت کے زیر سایہ تھوڑی سی ایمانداری پر قناعت کر لی جاتی ہے۔ اور تزکیہ و اصلاح خلق کا جو کچھ بھی کام کیا جاتا ہے اس کا حاصل اس سے زیادہ کچھ نہیں نکلتا کہ جو طاغوت بھی مسلط ہو چکا ہو اس کو اپنا کام چلانے کے لیے اسلامی اصلاح خانوں سے اچھے خاصے نیکی و خدا ترسی کے مجسمے اور سچائی و دیانت کے عملی نمونے سدھے سدھائے بنے بنائے ملتے چلے جاتے ہیں جو نہایت اخلاص و وفا کیشی، جاں نثاری و تن دہی اور راستبازی و امانت کے ساتھ ان اہل باطل کی ہر قسم کی خدمتیں، بلا زنہیں اور کام انجام دیئے چلے جاتے ہیں، اور ان خداوندان باطل کی خدائی کے قیام و بقا میں خود ان کے اپنے بنائے ہوئے آدمیوں سے زیادہ مفید و معین ثابت ہوتے ہیں۔ اس طرح یہ دینداری

اور یہ دینی تربیت اقامت حق کے بجائے اقامت باطل میں اور اللہ کی زمین کو عدل و قسط کے بجائے عدوان و بغاوت اور منکرات و معاصی سے معمور کرنے میں کام آتی ہے۔

ان حالات میں ہم نہایت ضروری سمجھتے ہیں کہ مقتضیات ایمان کو صاف صاف کھول کر بیان کیا جائے اور قانونی و فقہی ایمان کے مقابلہ میں حقیقی معیاری ایمان کے فرق کو واضح و مبرہن کر دیا جائے تاکہ دین کی اجتماعی دعوت کے لیے حقیقی اہل ایمان کی ایک کارگر اور مضبوط جتھہ بندی ہو سکے۔ اس گئی گذری حالت میں بھی بہت سے صالح افراد امت ایسے پائے جاتے ہیں جن میں یقین و ایمان کا اعلیٰ مرتبہ تو موجود ہے لیکن وہ یہ دیکھ کر کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے ان کے ایمانی تقاضے کے مطابق جدوجہد نہیں ہو رہی ہے، محض باطل و اہل باطل سے منقطع ہو کر اپنے گوشوں میں منتظر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کی بعض بعض باتوں سے کبھی کبھی یہ نمایاں ہو جاتا ہے کہ کوئی اہل عزیمت گروہ اس کام کے لیے جو عین ان کے قلب و ضمیر کا مدعا ہے اٹھے تو وہ بھی اس کے ساتھ ہولیں گے، اور اللہ کی دی ہوئی ان طاقتوں کو جو انھوں نے باطل کی تمام راہوں سے بچا کر رکھی ہیں اور پوری احتیاط سے الگ تھلگ رہ کر ان کی حفاظت کی ہے، اپنے اصل مقصود کی راہ میں استعمال کریں گے۔ ایسے ہی سچے اور راست باز لوگ دراصل ہمارے صحیح مخاطب ہیں اور انہی کی توجہات کو ادھر منعطف کرانا ہمیں مطلوب ہے۔

فقیہوں کے بیان کردہ "ایمان" اور اللہ کی میزان قدر میں قابل اعتبار "ایمان" میں بڑا ہی عجیب و غریب فرق ہے۔ قانونی مرتبہ میں دلوں کا حال نہیں دیکھا جاتا اور ہرگز دیکھا بھی نہیں جاسکتا، بلکہ زبانی اقرار اور پھر اس اقرار کو درست ثابت کرنے والی چند نشانیوں کو بظاہر دیکھ بھال کر ایک سرسری فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ اگر کسی انسان نے پانچوں ایمانیات کو مان لینے کا زبانی اقرار کر لیا اور ان کو نباہنے کے لیے جو کم سے کم شرطیں اسلامی شریعت میں لازمی قرار دی گئی ہیں انھیں بھی پورا کر دکھلایا تو اس سے دل کے اقرار کا بھی ایک حد تک ثبوت بہم پہنچ جاتا ہے، لہٰذا قانوناً ایسے شخص کو مومن قرار دیا جائے گا اور تہذیب و معاشرت، تمدن و اجتماع کے وہ حقوق جو اسلامی سوسائٹی میں ایک فرد کو حاصل ہونے چاہئیں وہ سب اس کو حاصل ہو جائیں گے۔ نکاح، مصاہرت، وراثت وغیرہ شرعی تعلقات اس کے ساتھ اسلامی احکام و مسائل کے مطابق رکھے جائیں گے۔ لیکن عالم مجازات میں

اللہ کے غضب و جلال اور عذاب جہنم کی مصیبتوں سے نجات پالینا، نعیم اخروی اور فردوس کی جزا، خیر سے متمتع ہونا، اللہ کی رضا و خوشنودی سے فائز المرام ہونا اور اس کے خصوصی مقبول بارگاہ بندوں میں شامل ہونا اس زبان کے محض ہلا دینے پر منحصر نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انسان دل سے اللہ کے آگے جھک جائے، اپنے ظاہر و باطن کی تمام طاقتوں کو اسی کی مرضیات پر پوری طرح لگا دے، اپنے نفس کی تمام ناجائز خواہشوں پر تشریعی بریک لگا کر ان کی پوری روک تھام کر ڈالے اور تمام اندرونی و بیرونی مزاحمتوں کے مقابلے میں رغبت و پسندیدگی کے ساتھ اللہ کی عبودیت و بندگی پر مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے۔ یہی تمام انبیائے کرام کی تعلیمات اور الٰہی شریعتوں میں معیاری مطلوب رہا ہے۔ اسی میں انسان کو جانچا اور پرکھا جاتا ہے۔ جو اس مقام پر امتحان و آزمائش میں کامیاب نہ ہو وہ ایک حد تک تو اسلامی سوسائٹی کو کچھ مغالطہ میں ڈال سکتا ہے لیکن اگر یہ سوسائٹی ایک ساکن و جامد قوم نہ ہو بلکہ اسلام کے اصل مقصود کے لیے جدوجہد کرنے والی ایک فعال جماعت ہو تو اس کی جدوجہد کے مختلف مرحلوں میں خود بخود ایسے مواقع پیش آتے چلے جاتے ہیں جہاں طیب و خبیث اور مخلص و منافق کا فرق نمایاں ہو جاتا ہے، صالح عنصر سے غیر صالح عنصر چھٹ کر الگ ہو جاتا ہے اور جماعت کے جو افراد قیادت و رہنمائی اور کارکنی و کارفرمائی کرنے والے ہیں وہ جان پہچان لیتے ہیں کہ کون کس مرتبہ کا صاحب ایمان و اخلاص ہے، یہاں تک کہ وہ موقع بھی آجاتا ہے جب تمام امت پر واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام کی خاطر جان و مال کے ہر نقصان کو برداشت کرنے والے خاص لوگ کون ہیں اور اسلام کے آڑے وقتوں میں جی چرانے والے کون۔ اس کے بعد وہ غیر مخلص مومنین جو مقتضیات ایمان کو ٹھیک ٹھیک بجا لانے سے قاصر ہوتے ہیں، اور دین حق کی راہ میں اس کے دشمنوں سے بڑھ کر مزاحمتوں، مشکلوں اور رکاوٹوں کا باعث بن جاتے ہیں، وہ صاف صاف پوری مسلم سوسائٹی پر نمایاں ہو جاتے ہیں، ان کی قدر و منزلت عام طور پر دلوں میں گھٹ جاتی ہے، ان سے غلظت و شدت کا وہ برتاؤ ہونے لگتا ہے کہ وہ یہاں سے بھاگ کر یا تو کافروں میں جا ملتے ہیں یا کم سے کم جماعتی شر و فساد سے اللہ اسلام کو بچا لیتا ہے اور نور حق کا اتمام ہو جاتا ہے۔

وہ کون سے ایمانیات ہیں جو زندگی کے صحیح محرک ہیں

اللہ نے اپنے آخری رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے انسانی دنیا کے نام اپنا آخری کامل اور مکمل پیغام روانہ فرمایا اور اس کو حیات انسانی کے

کے تمام گوشوں میں بروئے کار لانے کے لیے چند ایمانیات مقرر فرمائے ہیں اور ان کو بار بار دل نشین طرز بیان، روح و ضمیر کو وجد میں لانے والے اسلوب ادا کے ساتھ پیش فرمایا ہے۔ کیونکہ اگر یہ مضبوط بنیادوں پر مستحکم ہو جائیں تو انسانی زندگی کی تعمیر نو الٰہی نقشہ پر ہو سکے گی۔ اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان ایمانیات کی تشریح کر دی جائے اور اس ترتیب سے ان کو پیش کیا جائے جس ترتیب سے وہ قرآن میں وارد ہوئی ہیں۔

قرآن نے جس پرزور طریق پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اسی شدت کے ساتھ ان امور کو بھی پیش کیا ہے جن پر ایقان و اذعان کے بغیر اس راستے میں ایک قدم آگے نہیں بڑھا جا سکتا۔ البتہ جہاں جس چیز پر زور دینا تھا وہاں اسی کو پوری شدت سے ذکر کیا ہے اور دوسری چیز کو کسی دوسرے موقع کے لیے اٹھا رکھا ہے۔ صرف بعض مقامات ایسے ہیں جہاں سارے ایمانیات کو یکجا بیان کیا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ اس دور کے بعض تجدد پسند مفسرین قرآن نے دانستہ یا نادانستہ قرآن کے ایسے مقامات سے غلط نتائج نکال لیے ہیں۔ اس لیے مقتضیات ایمان کے بیان میں ان غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ضروری ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمام اجزائے ایمان کا ایسا کُل بنتا ہے کہ یا تو سب کو مجموعی طور پر رد کیا جائے یا قبول کیا جائے تو پھر سارا کا سارا ہی قبول کرنا ہوگا، درمیانی کوئی راہ نہیں ہے۔

قرآن ایک جگہ صرف ایمان باللہ کا ذکر کرتا ہے اور اسی کے نتیجے میں دنیا و آخرت کی خوش خبری دیتا ہے، اور صاف بتاتا ہے کہ کامیابی اسی پر منحصر ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (۴۱-۳)

یقیناً جن لوگوں نے کہا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے پھر استقامت اختیار کی ان پر فرشتے اترتے ہیں۔

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے کہ جو اللہ و آخرت پر ایمان لائے وہ اجر کا مستحق ہے:

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ (۲-۸)

جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور نیک عمل اختیار کرتے ہیں پس انہی کے لیے ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔

تیسرے مقام پر اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کو لازمی قرار دیا ہے اور اسی کی دعوت دی ہے۔

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

پس اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور اگر تم نے ایمان

وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۳-۰) — وتقویٰ اختیار کریں تو تمہارے واسطے بڑا اجر ہوگا۔

چوتھے مقام پر صراحت کی ہے کہ اللہ کے ساتھ اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لانا ہوگا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (۲۴-۹)

ایمان والے تو حقیقت میں وہی ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لا چکے ہیں۔

پانچویں مقام پر فرمایا کہ اللہ، رسول اور قرآن تینوں پر ایمان لانا چاہیے:

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (۲۸-۱)

پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو ہم نے اتارا ہے (یعنی قرآن)

چھٹے مقام پر ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں ایمان کے قابل ہیں، قرآن اور قرآن سے قبل کی تمام آسمانی کتابیں اور اللہ اور آخرت:

وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ...... وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (۴-۲۳)

حقیقی ایمان لانے والے لوگ تو وہی ہیں جو ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو ہم نے تم پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر بھی جو تم سے قبل اتاری جا چکی ہیں...... اور ایمان لانے والے اللہ پر اور آخرت

ساتویں مقام پر پانچ ایمانیات ارشاد ہوئے ہیں۔ اللہ، فرشتے، الٰہی کتابیں، انبیاء اور آخرت:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (۲-۴۰)

ایمان لائے رسول اور سب ایمان والے اس کتاب پر جو رسول پر اس کے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے۔ سب کے سب ایمان لائے اللہ پر، اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (کہتے ہیں) ہم تفریق نہیں کرتے اس کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان اور انھوں نے کہا ہم نے سمع و طاعت اختیار کی، تیری مغفرت ہو

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ... اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (۲-۲۲)

اور لیکن پورے پورے نیک تو وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور اللہ کے فرشتوں پر اور اللہ کی کتابوں پر اور تمام نبیوں پر ایمان لائیں...... یہی وہ لوگ ہیں جو سچے ہیں اور یہی وہ لوگ ہیں جو پورے پورے تقویٰ والے ہیں۔

آٹھویں مقام پر نہایت تصریح کے ساتھ سلبی و ایجابی دونوں پہلوؤں سے فرمادیا گیا کہ اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، قرآن اور پچھلی الٰہی کتابیں، سب پر ایمان لانا ضروری ہے اور اللہ، ملائکہ، الٰہی کتابیں، رسل اور آخرت کا دن، ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی ضلال بعید ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (نساء ۲۰)	اے ایمان لانے والو! ایمان لاؤ اللہ پر، اس کے رسول (محمد) پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر اتاری ہے، اور اس کتاب پر بھی جو پہلے اتاری جاچکی ہے، اور جو کوئی اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے رسولوں کا اور آخرت کے دن کا انکار کرے گا وہ تو بہت دور جا بھٹکا ہے۔

ان چند مقامات قرآن سے بالکل واضح ہوجاتا ہے کہ ان پانچ امور پر ایمان لانا ضروری ہے۔ ان اجزا کی تشریح اور ان کے متعلق ایمان کی تفصیلی کیفیت بیان کرنے کے بعد ہم مومنین کے وہ اوصاف و خصائل اور ان تمام علامات ایمان کو جمع کریں گے جو قرآن نے بتائے ہیں، پھر ان آیات قرآنی کو پیش کریں گے جن میں اہل ایمان سے مطالبات کیے گئے ہیں۔

(باقی)

مطبوعات ذیل چھپ چکی ہیں

دین حق ۲ر اسلام کا اخلاقی نقطۂ نظر ۲ر مذہب کا انقلابی تصور ۲ر

نئی مطبوعات

لباس کا مسئلہ ۳ر قرآن فہمی کے بنیادی اصول ۳ر